JOURNAL OF ACADEMIC RESEARCH FOR HUMANITIES
ISSN 2663-192x

HJRS Link: Journal of Academic Research for Humanities (HEC-Recognized for 2022-2023)
Edition Link: Journal of Academic Research for Humanities, 3(3) July-September 2023

Link of the Paper: https://jar.bwo.org.pk/index.php/jarh/article/view/317

کشور ناہید کا تصورِ مرد: آپ بیتیوں کی روشنی میں

KISHWAR NAHEED'S CONCEPT OF MEN: IN THE LIGHT OF AUTOBIOGRAPHIES

Corresponding Author 1:	**KASHIF UR REHMAN SHAH**, Lecturer, Department of Urdu Language and Literature, University of Sargodha. Kashif.urrehman@uos.edu.pk.

Paper Information

Citation of the paper:
(APA) Shah. Kashif Ur Rehman (2023). Kishwar Naheed's Concept of Men: In the Light of Autobiographies. In Journal of Academic Research for Humanities, 3(3), 25-33.

Subject Areas:
1 Urdu Literature
2 Humanities

Timeline of the Paper:
Received on: 10-07-2023
Reviews Completed on: 11-09-2023
Accepted on: 22-09-2023
Online on: 24-09-2023

Recognized:

Published by:

Abstract

Kishwar Naheed is famous for her bold writings concerning the issues related to women in a male-dominated society. In the writings of Kishwar Naheed, the real highlights of the concept of men emerge. She opened her eyes to a stifling environment, where women were restricted to housework, however, she strongly resisted the traditional life of women and made education the motto of life regardless of family status and restrictions. She has come to know that being a woman in a male society, life without education and employment is nothing but slavery. Kishwar knows very well about the difficulties of her mother's life, which is why she has a lot of resistance and rebellious attitudes in her narratives. She has also experienced the difficulties of women which have shaped her ideas. Apart from this, women's quest for identity finds much stronger expression in her prose. Naheed raises her voice through the weapon of poetry and prose for the betterment of humanity. Kishwar Naheed is a progressive writer who made possible the recovery of men's psychology in practical life and did not hesitate to share her thoughts and experiences. This is the reason why she is one of the first voices to rise against oppression in Pakistan and the nations of the world. In Kishwar Naheed's narrative, there are bitter experiences of life, in the light of which she conveys her ideas to the readers in her work. This article is based on documentary research about Kishwar Naheed's autobiographies.

Keywords: ESL Leing Strategies (LLSs), SILL Questionnaire, SPSS, Variables.

ناہید ماہ نامہ دوست، احتساب، پاک جمہوریت اور ماہِ نو جیسے رسائل میں ادارتی فرائض سرانجام دے کر اپنا لوہا منوا چکی ہیں۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ بُری عورت کی کَتھا کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں: کشور ناہید نے عمداً ناول یا خودنوشت کے صنفی زمروں کو توڑا ہے اور فارم کی سرحدوں کو دھندلایا ہے۔ یہ تصنیف ان کتابوں میں سے ہے جو اپنا آرٹ فارم خود ہوتی ہیں جہاں سب سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں 'بُری عورت کی کتھا' وہاں سے جنم لیتی ہے (گوپی چند، "پیش لفظ"، مشمولہ بُری عورت کی کَتھا، 1995، ص10)۔

کشور ناہید نے اٹلی کے شہر بلاژیو میں راکا فیلر فاونڈیشن سنٹر کے تعاون سے اپنی پچاس برس سے زائد عمر کے تجربات تحریر کیے۔ کشور ناہید نے اس کَتھا میں مرد او عورت کی سماج میں درجہ بندی کو تنقید کا نشانہ بنایا اوراس زندگی کا بیان درج کیا، جو انھوں نے روایت سے ہٹ کر گزاری ہے۔ ان سب بغاوتوں کے پس پردہ محرکات کشور ناہید کے تجربات کی روشنی میں دیکھے جائیں، تو ان کے نکتہ نظر سے اختلاف کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ کشور کی آپ بیتی ادب پبلی کیشنز، نئی دہلی، انڈیا سے 1995 میں پہلی بار شائع ہوئی۔ چودہ ابواب اور 148 صفحات پر مبنی یہ ایک ایسی مختصر آپ بیتی ہے، جو اپنے منفرد نام کی وجہ سے قاری کو فوری اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ دو برس بعد 1997 میں سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور نے اس کتاب کی مقبولیت کے پیشِ نظر اسے شائع کیا۔ بُری عورت کی کَتھا کا انتساب کشور نے اپنے دونوں بیٹوں میزو اور فیصل کے نام کیا ہے۔ اس کتاب کا پیش لفظ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے تحریر کیا ہے، مصنفہ کا تحریر کردہ مختصر دیباچہ بعنوان' اپنے پڑھنے والوں کے نام' 3 دسمبر 1993 میں تحریر ہوا۔ یہ کتاب چیرمین، اردو ایڈیٹوریل بورڈ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی سفارش پر ادب پبلی کیشنز، نئی دہلی نے شائع کی۔

کشور ناہید کی خودنوشت کی بنیادی خوبی اختصار ہے۔ اپنی کَتھا کے پہلے باب جس کا عنوان پہلی سیڑھی رکھا ہے۔ پہلی سیڑھی میں حوّا سے لے کر اپنی ماں جمیلہ خاتون تک کی عورتوں پر ہونے والے مظالم کا نہایت اختصار سے ذکر کیا ہے۔ اس کَتھا کے دیباچہ سے لے کر پہلے

ابتدائیہ:

کشور ناہید کی نگارشات میں تصورِ مرد کی حقیقی جھلکیاں اُبھر کر سامنے آتی ہیں۔ کشور نے گھٹن زدہ ماحول میں آنکھ کھولی جہاں خواتین کو گھر گرہستی تک محدود رکھا جاتا تھا، تاہم، کشور نے خواتین کی طرح روایتی زندگی گزارنے کے خلاف بھرپور مزاحمت کی۔ کشور نے خاندانی منصب اور پابندیوں کی پرواہ کیے بغیر تعلیم کو زندگی کا شعار بنایا۔ مصنفہ اس بات کو بخوبی جان گئی کہ عورت ہونے کے ناطے مرد معاشرے میں تعلیم اور ملازمت کے بغیر زندگی غلامی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کشور نے عملی زندگی میں مردوں کی نفسیات کی بازیافت کو ممکن بنایا اور اپنے خیالات اور تجربات کا اظہار کرنے میں جھجک محسوس نہیں کی۔ مصنفہ نے ذاتی زندگی کے مسائل کو سمجھ کر دنیا بھر میں سسکتی ہوئی انسانیت کے حق میں آواز بلند کی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان اور اقوامِ عالم میں ظلم و ستم کے خلاف اُبھرنے والی اولین آوازوں میں کشور ناہید کا شمار ہوتا ہے۔ کشور ناہید کے بیانیے میں زندگی کے تلخ تجربات موجود ہیں۔ زیرِ تحریر مقالہ تجزیاتی تحقیق کی روشنی میں مصنفہ کی آپ بیتیوں کو محیط ہے۔

انسانی زندگی میں درپیش واقعات اور تجربات کا مخلصانہ اظہار آپ بیتی میں بیان کیا جاتا ہے۔ دنیا کی ہر زبان میں ذاتی زندگی کی روداد پر مبنی آپ بیتیاں لکھی جاتی ہیں۔ لکھنے والے تخلیق کار خود پہ بیتی ہوئی زندگی کی روداد قارئین تک پہنچاتے ہیں۔ خلوصِ نیّت سے زندگی کے تلخ و شیریں واقعات بیان کرنا آسان کام نہیں ہے۔ وارداتِ زندگی کے بیان میں صداقت برتنے والے تخلیق کار اَمر ہو جاتے ہیں اور ان کی نگارشات پڑھنے والے قارئین کی درست سمت میں راہنمائی کرتی ہیں۔ مشاہیرِ ادب کی تحریر کردہ آپ بیتیاں قاری کو شخصیت کے داخلی و خارجی پہلوؤں سے آگاہی فراہم کرتی ہیں۔ یہ آپ بیتیاں ان کے عہد کا ادبی و سیاسی منظر نامہ واضح کرتی ہیں۔

کشور ناہید ادبی افق پر بطور شاعرہ متعارف ہوئیں، شاعری کے علاوہ تراجم ان کا پسندیدہ مشغلہ رہا ہے اور ادبی صحافی کے طور پر کشور

بھائیوں کے روّیوں اور باتوں سے نہیں ملتا ہے۔ البتہ ہماری پرورش اور لڑکیوں کے لیے تعلیم کے لیے ضد، اس زخم کی بازگشت لگتی ہے۔ جہاں اماں کو پڑھنے سے روکا گیا ہو گا (بُری عورت کی کَتھا، 1995، ص 17)۔

قیامِ پاکستان کے بعد کے حالات سے دلبرداشتہ ہو کر کشور کا خاندان بھی مسلمان اکثریتی حصے پاکستان میں قیام پذیر ہوا اور 1949 میں لاہور، پاکستان منتقل ہو گیا۔ ابتدائی دنوں اور سالوں میں کشور کے خاندان کو گوناگوں مشکلات سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ کشور اپنی کَتھا میں لکھتی ہیں: مکان کی تلاش کی بے سود منزل میں 1953 کا پڑاو آیا اور ہم گھڑی شاہو کی بستی محمد نگر منتقل ہوگئے (بُری عورت کی کَتھا، ص 40)۔

اپنی کم عمری کے اعتبار سے کشور نے متنوع تجربات جذب کیے اور رشتوں کی الجھتی سلجھتی گتھیوں کو سمجھنا شروع کیا۔ وہ لکھتی ہیں:
جیسے بار بار کے پہنے جوتوں میں بلا دیکھے پیر ڈالنے کی عادت ہو جاتی ہے اسی طرح رشتوں کی سیڑھیوں پہ چڑھو یا اترو، سانس نہیں پھولتا کہ سانس تو جاندار لمحوں کو گرفت میں لینے سے پھولتا ہے (بُری عورت کی کَتھا، ص 40)۔

وقت گزرنے کے ساتھ جوانی کی عمر کی طرف بڑھتے ہوئے کشور نے اپنے مطالعہ میں ایم اسلم، قیس رام پوری اور اس طرح کے ناول نگاروں کی تحریروں میں ہیرو اور ہیروین کے وصال کے لمحات پڑھ کر یہ کیفیات خود پر طاری کر لیتی تھیں۔ یوں لفظوں کو پڑھ کر جنسی تسکین محسوس کرنے کے فن سے شناسائی حاصل کر لیتی تھیں۔ یہاں کشور اپنے جیسی کئی لڑکیوں کو بزدل قرار دیتی ہیں اور لکھتی ہیں:
مگر ہم جو پڑھاکو لڑکیاں تھیں، وہ شاید بزدل بھی تھیں کہ چاہتے تو ہم بھی تھے کہ کچھ ہو، مگر کتابوں کے لفظوں اور لکھے ہوئے منظرناموں سے وصال کے عادی ہو چکے تھے (بُری عورت کی کَتھا، ص 44)۔

کالج میں داخلہ کے لیے کشور کو گھر والوں کے آگے کافی آہ و فریاد کرنی پڑی۔ بالآخر ایک سال گھر میں فراغت گزارنے کے بعد کشور اور

باب میں بیان کیے نظریات کا جائزہ لیا جائے، تو یہ کتاب کشور ناہید کی آپ بیتی کی بجائے اس دنیا پر وارد ہوئی ان تمام خواتین کا نوحہ معلوم ہوتی ہے، جو روزِ ازل سے مختلف ناموں کے ساتھ وجہ سے شہرت رکھتی ہیں۔

کشور ناہید نے تاریخی اعتبار سے عورت پر کئے گئے ظلم و استبداد کی روایت بیان کی۔ کشور ناہید نے ان مظالم کو نہایت خوبصورتی سے استعاراتی و تلمیحاتی انداز میں بیان کیا۔ یہاں کشور کا رویہ باغیانہ ہو جاتا ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک عورت پر بیتنے والی ظلم کی کالی رات ڈھلنے کا نام نہیں لے رہی، مظالم کی یہ روایت وقت گزرنے کے ساتھ مزید مستحکم ہوتی چلی جا رہی ہے۔

کشور کے مطابق حوّا نے جتنے بھی نام اور ادوار بدلے، اس کے نصیب میں رسوائی کے سوا کچھ نہیں۔ کبھی وہ فروغ فرخ زاد، کبھی سارا شگفتہ اور کبھی مصنفہ کی ماں کے روپ میں جلوہ گر ہوئیں، مگر اس سماج کے رسم و رواج نے عورت کے ساتھ مساوی سلوک نہیں برتا۔ کشور نے شہزادیوں کے مصائب بھی بیان کیے، کہ کس طرح مغلیہ دور کے خاتمے سے وہ دربدر بھٹکتی رہیں اور ان کی کَتھا کہاں لکھی گئی؟ جن کی دربدری نے بالا خانے قائم کیے، کسے خبر تھی کہ ان شہزادیوں کے دم سے کوٹھے آباد ہوں گے۔ کشور آج کے ترقی یافتہ دور میں فرد کی اس سوچ سے اختلاف رکھتی ہیں، جو نہ تو تاریخ کو مانتا ہے اور نہ ہی آج کے معاشرے میں عورت کے وجود کو تسلیم کرنے کی رضامندی ظاہر کرتا ہے۔

کشور ناہید نے 18 جون 1940 کو سیّد گھرانے میں جنم لیا۔ کشور اپنے باپ سیّد ابن الحسن کی چوتھی بیوی جمیلہ خاتون کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ کشور کے والد ملازمت پیشہ تھے۔ ماں کو منہ دکھائی میں سوتیلی بیٹیوں کا تحفہ ملا۔ باپ آٹھویں جماعت تک پڑھے تھے اور کورٹ آف وارڈ میں ملازمت کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ٹرانسپورٹ کمپنی راج گھاٹ نربدا میں بطور منیجر کے فرائض انجام دیے۔

کشور ناہید لکھتی ہیں: میری ماں کو بھی اتنی ہی تعلیم ملی تھی۔ کیا اماں نے لڑکوں کی طرح پڑھنے کی ضد کی تھی! اس کا بظاہر ثبوت تو بہن

بڑی بہن کو کالج میں داخلہ لینے کی اجازت مل گئی اور دونوں بہنوں نے گورنمنٹ کالج برائے خواتین، لاہور میں داخلہ لے لیا۔ کالج کی تعلیم کے دوران کشور کو ادبی سرگرمیاں جاری رکھنے کا موقع ملا۔ اپنے عہد کے معروف ادیبوں سے متعارف ہوئیں۔ کشور گھر سے کالج برقعہ اوڑھ کر جاتی اور ادبی تقریبات میں حصہ لیتے وقت برقعہ اتار دیا کرتی۔ کشور نے پہلا مشاعرہ کالج کی طرف سے سیالکوٹ انٹر کالجیٹ مقابلوں میں پڑھا۔ ان تقریبات اور مشاعروں میں انعام و اکرام سے بھی نوازا جاتا تھا۔

کشور ناہید جوں جوں مشاعروں اور مباحثوں میں شریک ہونے لگی، مقبولیت میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس ضمن میں وہ لکھتی ہیں:

بچہ جس سے ایک دفعہ محبت سے مل لو وہ دوستی کا چرچہ کرتا نظر آتا ہے اور دوست تو اتنے پیارے ہیں کہ آپ کے خلاف کوئی بول رہا ہو تو وہ خاموشی سے سب کچھ سنتے ہیں۔ صرف مسکرا دیتے ہیں اور اپنے منہ سے کچھ نہیں کہتے (بُری عورت کی کَتھا، ص55) ۔

انسانی فطرت کا خاصا ہے کہ سچائی پر گامزن رہنے والے لوگ جب جھوٹ اور منافقانہ رویوں سے آشنا ہوتے ہیں، تو یہ فطرت باغیانہ رویوں کو جنم دیتی ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ باغیانہ رویے شخصیت میں مکمل سرایت کر جاتے ہیں اور حساس طبیعت کے حامل لوگوں میں یہ باغیانہ رویے شدت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہی مصنفہ کا معاملہ ہے، کہ جتنی مخلصی انھوں نے رشتوں اور دوستوں سے برتی ہے، نتیجہ تسلی بخش نہیں رہا۔ اسی لیے کشور نے اسکول اور کالج کے زیادہ تر ہم جماعتوں کو ادبی دوستوں میں شمار نہیں کیا۔ کشور کالج اور یونی ورسٹی کے مشاعروں اور مباحثوں کو اپنی زندگی میں خاصی اہمیت کا حامل گردانتی ہیں۔ تحریر اور تقریر ان مشاعروں اور مباحثوں سے خود اعتمادی کی راہ ہموار کرتی چلی گئی اور مرد کا خوف جو ہر عورت کے ذہن پر خصوصاً مشرقی عورت کے ذہن پر ہمہ اوست طاری رہتا ہے، ان مخلوط تقاریب میں تقریر کرنے، شاعری پڑھنے سے مرد کی غالبیت کا خوف بھی جاتا رہا۔ مغربی عورت کے متعلق کشور لکھتی ہیں:

یوں تو مغربی عورت بھی فرد بننے کو نکلتی ہے۔ مگر ہوتا کیا ہے کہ مرد افسر، عورت سیکرٹری، مرد منتظم، عورت ٹیلی فون آپریٹر، مرد ڈاکٹر، عورت نرس، مرد پائلٹ، عورت ایئر ہوسٹس، مرد بادشاہ، عورت حرم میں داخل ہوتی ہوئی (بُری عورت کی کَتھا، ص60) ۔

سماج میں مجبور عورت کے تصور سے پڑھی لکھی عورت کا تصور کشور پر آشکار ہوتا چلا گیا اور وہ علم حاصل کرنے کی جستجو میں مگن رہی۔ گھریلو پابندیوں کے ساتھ ساتھ کشور نے اپنا تعلیمی اور ادبی سفر جاری رکھا۔ پنجاب یونی ورسٹی ایم اے اکنامکس میں داخلہ لے کر کشور کو آزادی کی فضا میں سانس لینا نصیب ہوا۔ کشور لکھتی ہیں:

بڑی بہنوں کے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر خود سے عہد کیا" جیسے شریف زادے اور سیّد زادے بالکل بے وقوف جیسے، میرے گھر والے تلاش کرکے لاتے ہیں۔ میں تو ایسے شریف زادوں سے شادی نہیں کروں گی... " پھر کیا کروں گی۔ یہ خیال ڈرانے لگا (بُری عورت کی کَتھا، ص63) ۔

یونی ورسٹی میں نئے دوستوں کی صحبت کشور کو ملی ۔ ایم اے کی کلاس کے ہم جماعت یوسف کامران سے آشنائی ہوئی۔ "لک چھپ جانا۔ مکئی کا دانہ" ایسا کشور پیار سے یوسف کامران کا ذکر کرتے ہوئے اکثر کہا کرتی تھی۔ بعد میں کشور نے اسی عنوان سے ایک پروگرام ریڈیو پاکستان کے لیے ترتیب دیا جو خاصا مقبول ہوا۔ یوسف سے دوستی والہانہ عشق میں بدلتی چلی گئی۔ کشور یوسف کے حسن و جمال کو یوں بیان کرتی ہیں:

ان سارے لڑکوں میں ایک لڑکا بہت خوبصورت تھا۔ تھا بھی انوکھا... میں کالج کے لیے گھر سے نکلتی وہ دس قدم آگے کھڑا ہوتا... سائیکل لیے... انتظار کر رہا ہوتا۔ مسکراتا... سیکڑوں ناشناسا چہروں میں ایک شناسا چہرہ۔ برقعہ اتارنے کے بعد ملتا تو ساری گھبراہٹ لپٹ جاتی۔ مجھے لگتا۔ میں پناہ میں ہوں (بُری عورت کی کَتھا، ص64) ۔

مراسم استوار کرتا اور یہ بات دونوں میاں بیوی میں اختلاف کا باعث بنتی تھی۔ کشور اپنے شوہر کی گاڑی میں امریکی اور کرسچیئن لڑکیوں کو گھومتے ہوئے دیکھتی، کبھی کیفے ٹیریا یا دفتر کی چھت پر سرگوشیاں اور قہقہے لگاتے دیکھتی اور کبھی تو ایسا ہوتا کہ ملازمت سے گھر واپسی پر ڈرائنگ روم میں دس سے بارہ غیر ملکی لڑکیاں شوہر کی طرف سے مدعو ہوتیں۔ شام ہوتے ہی جام کھل جاتے، دوستوں کی شاعری اور قہقہوں کا شور بڑھتا جاتا تھا۔ اس ضمن میں کشور ناہید اپنی کتھا میں لکھتی ہیں:

تحریر نے ان نفرتوں کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہونے کا عہد کیا۔ اس سیلاب کو روکنے کے لیے قلم نے بند باندھا۔ گھر کے اندر ایک اور گھر بن گیا۔ میرا اپنا گھر۔ میری ذات سے خود کلامی کا گھر، جس میں قلم اور کاغذ میرے دوست بن کر میری دلجوئی بھی کرتے اور مجھے مسکراہٹیں بھی دیتے۔ ان کی دوستی پہ میں اس قدر اعتماد کرنے لگی کہ جس دن پڑھا نہیں، اس دن سمجھا کہ آج خالی خالی ہوں۔ بالکل اکیلی ہوں (بُری عورت کی کَتھا، ص85-84)۔

ان سب حالات کے باوجود کشور نے خود کلامی کا سلسلہ بھی جاری رکھا، خود کو کتابیں پڑھنے اور نظم و نثر لکھنے پہ آمادہ کر لیا۔ یوں اپنی تنہائی کو خوب صورت بنانے کا کام کتابوں اور تحریروں سے لیا اور نسائی ادب کو فروغ دینے والوں کی فہرست میں اپنا منفرد مقام بنانے میں کامیاب ہو گئیں۔ مارشل لا کے زمانے میں کشور پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اس ملک میں عورت ہی مظلوم نہیں بلکہ یہاں پر بسنے والے مرد بھی ظلم سہنے پر مجبور ہیں۔ کشور کا گھر بھی عرصہ دراز سے ادیبوں، شاعروں، مصوروں اور ریڈیو، ٹی وی اور فلم سے وابستہ شخصیات کے لیے محفوظ ٹھکانہ رہا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کشور کو دوستوں سے بے پناہ محبت اور نفرت ساتھ ساتھ رہی ہے اور اسی محبت کی وجہ سے کشور کو متنوع تجربات اور مشاہدات کو سمیٹنے کا موقع ملا ہے۔ احمد بشیر لکھتے ہیں:

کشور ناہید پہلی نظر میں مجھے سخت بدتمیز لڑکی لگی تھی۔ اور وہ واقعی بدتمیز ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسے اچھے آداب کا علم نہیں وہ روحانی طور پر ملامتی صوفیوں سے تعلق رکھتی ہے اس کا جی چاہتا ہے کہ وہ کشور ناہید آزاد زندگی گزارنے اور نوکری کرنے کی خواہش رکھتی تھی۔ یوسف کامران کی شخصیت میں کشور کو خوابوں کی تکمیل ہوتی دکھائی دی۔ دونوں کی مصروفیات اور مشاغل میں بھی گہری مماثلت تھی۔ یونی ورسٹی، برٹش لائبریری، کافی ہاؤس اور ریڈیو کے علاوہ مشاعروں میں شرکت کرنا، مشترکہ دوستوں کے ساتھ گھومنا پھرنا، روز کا معمول بن گیا۔ چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کے بعد کی صورتِ حال کشور نے یوں بیان کی:

آدھے سیر لڈوؤں پر بیاہنے والی کے ساتھ ایک بوری میں کتابیں اور دوسری بوری میں انعامی کپ تھے۔ تن پہ ایک جوڑا تھا۔ ٹانگے میں بیٹھے ایبٹ روڈ کے ایک گھر پہ رکے۔ وہی سنت نگر والا انداز مگر ذرا فلمی انداز زیادہ۔ ایک کمرہ کسی کا تو دوسرا کمرہ کسی کا۔

سہاگ رات بھی عجب تھی۔ دونوں چور لگ رہے تھے۔ دونوں ڈرے ہوئے تھے کہ آدھے گھنٹے میں فیصلہ کرنے کے حکم پہ ہونے والی شادی کے لیے وہ تیار تھا نہ میں۔ نہ اس کے گھر والوں کو خبر تھی اور نہ کسی دوست کو۔ یہ تو سید زادے سے شادی نہ کرنے کے فیصلے کی سزا، اس کو بھی مل رہی تھی (بُری عورت کی کَتھا، ص65)۔

مشرقی معاشرہ عورت کو پسند کی شادی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ شادی کے فوراً بعد کشور کی زندگی مشکلات کا شکار ہو گئی۔ کشور روایتی زندگی نہیں گزارنا چاہتی تھی۔ وہ لکھتی ہیں:

اس نے میرے سارے ارمان پورے کیے۔ ہم دو آزاد شخص ایک گھر میں رہنے لگے۔ میں ذمہ داریوں کے لیے آزاد... وہ سائیکل کی جگہ موٹر سائیکل پر اور پھر گاڑی میں... لک چھپ جانا... مکئی کا دانہ... بہت خوبصورت تھا... موٹر لیے انتظار کر رہا ہوتا کسی اور کا... سال کے کیلنڈر سے پہلے اس کے انتظار کی جگہ اور شخص بدل جاتے تھے (بُری عورت کی کَتھا، ص65)۔

عورت سب کچھ برداشت کر سکتی ہے مگر مرد کی کسی اور عورت سے وابستگی برداشت نہیں کر سکتی، کشور نے یہ سب بھی برداشت کیا۔ اسی لیے ان کی تحریر اور شخصیت آسانی سے قاری پر منکشف نہیں ہوتی۔ یوسف کامران اپنی خوب صورتی کی بدولت روز نئی عورتوں سے

خود نوشت میں مظلوم عورتوں کے عنوان سے تلمیحاتی و استعاراتی لہجے میں بات کرنے کی کوشش کی ہے۔ان مظلوم خواتین کا عکس ان کو خود میں نظر آتا ہے (فوزیہ خانم، ڈاکٹر آپ بیتیاں ٹیڑھی پسلیوں کی (لاہور: بک ٹاک، 2019)، ص210) ۔

جنسی مسائل جسے مرد بیان کرنے سے گریز کرتے ہوں، کشور نے نفسیاتی الجھنوں کے پیشِ نظر ان مسائل کو بھی بیان کرنے سے گریز نہیں کیا۔ڈاکٹر فوزیہ خانم لکھتی ہیں:

کشور یہ بتانا چاہتی ہیں کہ خواتین پر ہونے والے مظالم مذہبی، سماجی، سیاسی اعتبار سے اس کی نوعیت کچھ بھی ہو، اس کے پس پردہ مرد کی انانیت و حاکمانہ ذہنیت کارفرما نظر آتی ہے۔مظلوم گناہ گار عورتوں کی داستانیں سبھی نے لکھی لیکن کسی نے ان عورتوں کا ذکر نہیں کیا جنھوں نے ملک، سماج و معاشرے میں مردوں کی طرح بڑے بڑے کارنامے انجام دیے۔عورتوں کی مظلومیت کی داستانیں اب بھی وہی ہیں، بس نام بدلتے گئے (آپ بیتیاں ٹیڑھی پسلیوں کی، ص212) ۔

کشور ناہید کی خود نوشت صرف مصنفہ کی داخلی و خارجی زندگی کا احاطہ نہیں کرتی بلکہ مصنفہ نے مشرقی روایات کے خلاف مزاحمتی رویہ اپنا کر خواتین کے لیے ایک رول ماڈل پیش کیا جس پر عمل پیرا ہو کر خواتین اپنی زندگیوں میں انقلابی تبدیلیاں لا سکتی ہیں۔گھٹ گھٹ کر زیست کرنے کی بجائے ہمت، حوصلہ اور مضبوط ارادے ہی خواتین کو مرد معاشرے میں زندہ رہنے کا جواز فراہم کرتے ہیں۔اندازِ زیست کے بیان میں صداقت اور حقائق کی تصویر کشی کی بنیاد پر یہ آپ بیتی اردو کی بہترین آپ بیتیوں میں شمار کی جاسکتی ہے

انسان زندگی کے تجربات اور واقعات لکھنے کی جستجو کرے تو اُسے زندگی کے تلخ و شیریں واقعات بیان کرنے ہوتے ہیں۔ایسے واقعات کے بیان کے لیے عمدہ یاداشت اور سچ لکھنے کی جرات درکار ہوتی ہے۔ اردو ادب میں آپ بیتی کی روایت پر نظر دوڑائی جائے تو بہت کم آپ بیتیاں ایسی لکھی گئی ہیں جنھیں مکمل طور پر مبنی بر حقائق قرار دیا جا

بھری محفلوں میں ایسی حرکات کرے جن پر لوگ ملامت کریں وہ کسی کی کوئی بات نہیں مانتی وہ ہر ایک کو للکارتی ہے وہ کوشش کرتی ہے کہ اس کے جانے کے بعد تمام عورتیں اور مرد جی بھر کر اس کی برائی کریں۔اس سے خار کھائیں اس کو نفرت سے یاد کریں مگر اس کو بھول نہ سکیں۔اس نفرت سے جو وہ عورتوں کے دلوں میں اپنے لیے پیدا کرتی ہے اس کا نسوانی غرور بھڑکتا ہے پر وہ چھلانگ مار کر ان کے دائرے سے نکل جاتی ہے اور کہتی ہے دیکھو میں تم میں سے نہیں۔وہ مردوں سے کہتی ہے میں ایک چیلنج ہوں میں تمہارے مضبوط جسموں کو نہیں مانتی میں تمہارے فہم وادراک سے متاثر نہیں ہوں تم محض کن کٹے بچے ہو تم ایک چانٹا کھا کر رونے اور افسانے لکھنے لگتے ہو تم کچھ بھی نہیں ہو اور مرد اپنا گال سہلاتے ہوئے بھاگ جاتے ہیں یا اس کے گرد دھمال ناچنے لگتے ہیں۔

کشور ناہید اس طرح عورتوں اور مردوں کے درمیان پل پر کھڑی دونوں کو نچاتی ہے وہ کسی ایک کے دائرے میں جانے پر تیار نہیں (احمد بشیر۔جو ملے تھے راستے میں، مرتبہ یونس جاوید (لاہور: الفیصل ناشران، 2016)، ص259) ۔

کشور اَن تھک محنت اور لگن سے کام کرنے کو زندگی کے آخری سچ سے تعبیر کرتی ہیں: ہاں سیمون ڈی بوا اور بٹی فرائیڈن کی طرح متحرک اور آخری لمحے تک لکھتے رہنا، زندگی کا آخری سچ لگتا ہے (جو ملے تھے راستے میں، ص148) ۔

کشور ناہید کی کَتھا عورت کو فکری آزادی دلانے اور غلامی سے آزاد زندگی کے حصول کی ضمانت پر زور دیتی ہے۔ڈاکٹر فوزیہ خانم لکھتی ہیں: کشور نے اس خود نوشت میں عورت کے مسائل، سماجی نامساعد حالات، تقسیم ہند کی خوں ریزی و غارت گری، پاکستان کے سیاسی، سماجی حالات، پاکستان اور بنگلہ دیش کا بٹوارہ، ملک کی صورتِ حال، دوست احباب، اپنی زندگی سے متعلق بہت سے اہم واقعات اور ادبی و علمی مصروفیات کا تذکرہ کیا ہے۔یہ خود نوشت مروجہ روایت سے ہٹ کر نئے انداز میں لکھی گئی ہے۔انھوں نے عورت کے ابتدائے آفرینش سے لے کر تا امروز کے تمام مسائل کو اجاگر کیا ہے۔کشور نے

مذہبی فرعون دونوں ملکوں میں عورت کے شعور سے خوفزدہ ہو کر ، وہ الفاظ استعمال کرنے لگے ہیں جن کو کوئی بھی تہذیب روا نہیں سمجھتی ہے۔اب تو ملکوں میں ایسے سربراہ آ گئے ہیں کہ عورتوں کو بے حیائی اور فحاشی کو ہم معنی سمجھ کر استعمال کر کے سمجھتے ہیں معاشرے کو اسلام کے کندھوں پر لاد دیا ہے (کشور ناہید، بُری عورت کی دوسری کَتھا (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2021)، ص 15) ۔

کھیتوں، کچرے اور نالیوں میں پڑے بچوں کو ایدھی صاحب نے زندگی اور نام بخشا تھا۔کیسے کیسے طعنے سنے تھے۔لوگ بلند آواز میں کہتے اور لکھتے تھے۔"یہ ایدھی تو جہنم میں جائے گا، یہ حرامی بچے پال رہاہے۔ہماری اگلی نسل اس کے یتیم خانہ سے نکلے گی "(بُری عورت کی دوسری کَتھا، ص 19) ۔

شمیم حنفی اور مسعود اشعر قبروں میں چھپ گئے۔دنیا کہتی تھی کہ یہ عالمی وبا دنیا کو تبدیل کر دے گی۔ہم ہر ابتلا سے گزر کر، مالی منفعت کی تلاش میں دیوانے اور عورتوں اور بچوں کو چیر پھاڑنے میں زمانے بھر میں رسوا ہوئے اور ہوتے رہیں گے (بُری عورت کی دوسری کَتھا، ص 156) ۔

کشور ناہید کے طویل ادبی سفر کا جائزہ لیا جائے تو ان کی شخصیت پر نفسیاتی اثرات ان کی گھریلو زندگی سے شروع ہوتے ہیں۔گھر انسانی شخصیت کی کردار سازی میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔افرادِ خانہ جن میں ماں، باپ، بہن اور بھائی اہم ترین کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسے گھرانے جن میں بچوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے وہاں بچوں کی تربیت میں مسائل در آتے ہیں۔بعض بچے تربیتی عمل میں محرومی کا شکار ہو جاتے ہیں۔بعض کو دیگر بہن بھائیوں کی نسبت پرورش کے یکساں مواقع میسر نہیں آتے، جس کی وجہ سے ان بچوں کی ذہنی ساخت متاثر ہو جاتی ہے۔لاشعوری سطح پر ایسے بچے نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔بعد ازاں ایسے بچوں کے ہاں شدید جذباتیت اور غصے کا رویہ پیدا ہو جاتا ہے۔انسانی ذہن محبت اور پیار کے فلسفے کو تسلیم کرنے کی سکے۔زیادہ تر آپ بیتیوں کے متعلق یہ رائے دی جاتی ہے کہ فلاں خود نوشت کے مواد میں مبالغے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

ناہید کی زیرِ مطالعہ کتاب بُری عورت کی دوسری کَتھا میں درج معلومات بُری عورت کی کَتھا کی توسیع بھی ہیں اور اضافہ بھی۔بُری عورت کی دوسری کَتھا کی تقریبِ رونمائی میں ڈاکٹر نجیبہ عارف، نیلوفر اقبال، وجاہت مسعود، حارث خلیق، ڈاکٹر نذیر محمود، ظفراللہ خان اور ڈاکٹر بی بی امینہ نے کشور ناہید کی آپ بیتی پر سیر حاصل گفتگو کی۔

بنیادی طور پر مذکورہ بالا کتاب کشور ناہید کی 81 سالہ زندگی کا احاطہ کرتی ہے۔دیگر یاداشتوں کی نسبت اس کتھا میں ناہید کا لب ولہجہ تند و تیز ہے۔یادوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ قاری کو اکتاہٹ سے دوچار نہیں کرتا۔ادب کے معروف لکھاریوں کا تذکرہ ناہید عقیدت و احترام کے ساتھ کرتی ہیں۔ان کے گھر پر دعوتوں میں شرکت کرنے والے ادبا سے وابستہ دلچسپ یادیں درج کرتی ہیں جن کو پڑھ کر ناہید کی ادب دوستی عیاں ہوتی ہے۔

بُری عورت کی کَتھا کی طرز پر اس آپ بیتی میں بھی واقعاتی ترتیب کا خیال نہیں رکھا گیا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بے ساختہ انداز میں ذہن پر ابھرنے والے واقعات کو ناہید درج کرتی جاتی ہے۔ جیسے اس کتاب کے پہلے باب میں یوسف کامران کو جگانے کا واقعہ درج کیا، اڑن کھٹولے میں جگن ناتھ آزاد کے ساتھ بیان کردہ واقعہ تکرار کی خوبی رکھتا ہے۔بلوغت کی عمر کو پہنچتے وقت جسمانی تبدیلیوں کے اشارے بیان کیے۔جیسے جیسے مصنفہ یادوں کے سمندر میں غوطہ زن ہوتی جاتی ہے وہ بچپن کے واقعات کا ذکر کرتی ہیں تو والدہ کی طرف سے پتھر کی بڑی سل پر مرچیں پیسنے کا بار بار تذکرہ کرتی ہے کہ چھ برس کی عمر میں اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ مرچیں پیسنے کے بعد مرچوں والے ہاتھ آنکھوں کو نہیں لگانے لیکن ایسا تجربہ کرنے سے معلوم ہوا اور روتی بچی کو چپ کرانے کی بجائے والدہ کی طرف سے ڈانٹ ملی۔یہ وہ محرومیاں تھیں جن کا سامنا کرتے کرتے اردو ادب کو ایک ایسی مصنفہ ملی جو مسلسل جذباتی انداز کی تحریریں لکھ رہی ہیں۔چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

کر ان کے دن کا آغاز ہوتا ہے۔ سمندر پار کرتے ہوئے بچے جو بالآخر لقمہ اجل بنتے ہیں، ان مزدور بچوں پر جو ہنستے ہوئے روزی روٹی کماتے ہیں اور مشکل سے مشکل کام کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ ان پرندوں کو بھی مصنفہ نے سلام پیش کیا جو پاکستانی جھیلوں کا پانی خشک ہو جانے کے باوجود بھی ہجرت نہیں کرتے۔ یہاں مصنفہ ایسے پرندوں کو بھی سلام پیش کرتی ہیں جن کے گھونسلے جنگلوں کی کٹائی کے دوران اور آگ لگے جنگلوں میں جل کر راکھ ہو گئے۔ آخر میں ان جوڑوں کو کشور سلام پیش کرتی ہیں جو اپنی مرضی کا جیون ساتھی چنتے ہیں اور انہیں قتل کر دیا جاتا ہے۔

اختتامیہ کا دوسرا حصہ افسوس کے عنوان سے درج ہے۔ یہ حصہ چھ نکات پر مبنی ہے۔ پہلے نکتے میں اس امر پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے کہ ایسی قومیں جو بظاہر آزاد ہیں لیکن اس آزادی کے باوجود بھی بھنور میں پھنسی ہوئی ہیں۔ ایسے راہنماوں پر بھی افسوس کا اظہار کیا گیا ہے جو اپنے ملک میں کرپشن کا بازار گرم رکھتے ہیں اور امیر ملکوں سے امداد کی مد میں بھیک مانگتے ہیں۔ جنون پسند مذہبی عناصر پر بھی افسوس کا اظہار کیا۔ آخری تین نکات ملاحظہ کیجیے:

ان منصفوں پر جن کے ناحق فیصلے سے تاریخ بھی شرمندہ ہے۔
ان بادشاہت نما جمہوریتوں پر مسلط قزاقوں پر جو اپنے ملک ہی کو فتح کرتے رہتے ہیں۔ افسوس ان لوگوں پر جو قائداعظم کی 11 اگست کی تقریر سنسر کرنا چاہتے تھے (بُری عورت کی دوسری کَتھا، 197)۔

اختتامیہ مصنفہ کے شدید مزاحمتی لب و لہجے اور جذبات کی عکاسی کرتا ہے بالخصوص پاکستانی صورتِ حال کے مطابق یہ نکات ان قوتوں پر کڑی تنقید کرتے ہیں جنھوں نے جمہوری عمل کو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال نہیں ہونے دیا، بلکہ ذاتی مفادات چاہے اس میں سیاست دانوں اور آمروں کو زیر غور لایا جائے، سبھی ایسے لوگ اس تنقید کا نشانہ بنتے ہیں۔ گیارہ نظمیں ان عنوانات 'کباڑیے کی سند'، 'جمیلہ کہانی'، 'ہیلگا! پاکستان تو تم ہو'، 'ابھی تو ہمارے جاگنے کے دنوں نے آنا تھا'، 'نومی! تمہیں وداع کیا'، 'ساری بیٹیوں اور نور مقدم کا نوحہ'، 'زندہ ہیں ماضی کی چھپی عورتیں'، 'نور اور اس کی روح کا بیانیہ'،

صلاحیت رکھتا ہے تاہم جبراً مسلط کردہ اصول و ضوابط اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔

کشور ناہید کی نگارشات میں اردو ادب اور فنونِ لطیفہ کے دیگر شعبوں سے وابستہ افراد کی یادیں، دفتروں میں کام کرنے والے دوست احباب کی زندگیوں کے دل چسپ قصے رقم ملتے ہیں۔ کشور ناہید نے اس حوالے سے بھرپور ادبی زندگی گزاری ہے۔ ادیبہ کو صحیح معنوں میں ادبی و تہذیبی شخصیت قرار دیا جا سکتا ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کی تہذیب و ثقافت اور ادب سے جڑی ہستیوں پر تحریریں لکھنا مصنفہ کا پسندیدہ مشغلہ رہا ہے۔ دیگر ممالک کی سیر و سیاحت کے متعدد واقعات جزئیات کے ساتھ بیان کرنے میں بُری عورت کی دُوسری کَتھا کے صفحات قاری کے لیے مختصر واقعاتی سفرناموں کا تاثر دیتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

کچھ حوالے ایسے یاد ہیں کہ آج بھی ام کی معصومیت پہ ہنسی آتی ہے۔ صہبا لکھنوی اور خمار بارہ بنکوی ہمارے ساتھ امریکہ گئے تھے۔ دونوں نے اپنی شیروانی، چوڑا پاجامہ اور شیروانی ناسا کو دیکھتے ہوئے بھی برقرار رکھی۔ بڑھاپا آگیا، مگر جمیل الدین عالی، حمایت علی شاعر، کلیم عثمانی اور سحاب قزلباش کا ترنم اب بھی یاد آتا ہے۔ حبیب جالب کا ترنم ہمیشہ یاد رہے گا (بُری عورت کی دوسری کَتھا، ص 183)۔

اب تک افغانستان میں کیتھی سارے زمانے کی رپورٹنگ کرنے جاتی اور دفتر کی بلڈنگ ہی میں آکر رہ جاتی۔ اس کی آدھی زندگی افغانستان رپورٹ کرتے گزری (بُری عورت کی دوسری کَتھا، ص 191)۔

اس کتھا کا اختتامیہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ سلام کے عنوان سے درج ہے، جو آٹھ نکات پر مبنی ہے۔ مصنفہ نے سلام کے پہلے پوائنٹ میں بے نظیر بھٹو کی چالیس سالہ جدوجہد اور اس جدوجہد کے نتیجے میں جس ملک کی سیاست میں انہوں نے کردار ادا کیا، اُسی ملک کی خاطر جان کی قربانی دینے پر مصنفہ نے انہیں ہر امتحان میں بے نظیر قرار دیا۔ مصنفہ نے چڑیوں کو سلام پیش کیا جن کی آوازیں سن

'ساری آنکھیں اسے ڈھونڈ رہی ہیں'، 'مینارِ پاکستان تلے' اور 'مر دار انقلاب' کے ساتھ درج ہیں ۔ نظم 'زندہ ہیں ماضی کی چھپی ہوئی عورتیں' میں مصنفہ لکھتی ہیں:

اے سائنس دانوں ! خلا نہیں، زمین کی جیتی جاگتی عورت کے اندر چھپے زخموں کو تلاش کرو (بُری عورت کی دوسری کَتھا، ص 220)۔

آئی۔اے۔رحمان، زاہد ڈار، بھانجی نومی اور ڈاکٹر آصف فرّخی کی وفات پر ان سے محبت و عقیدت کا اظہار نظموں میں کیا۔ مصنفہ نے ایک نظم سنگِ میل خاندان کے لیے لکھی، ایک جرمن ماہر ماحولیات کے لیے اور ان کے علاوہ چار نظمیں عورتوں کے متعلق ہیں۔ افغانستان کے حوالے سے بھی مصنفہ نے 'مر دار انقلاب' کے عنوان سے آخری نظم تحریر کی۔ اردو آپ بیتی کی روایت میں مصنفہ کی دونوں آپ بیتیاں جدید طرز کی لکھی ہوئی آپ بیتیوں میں خوش گوار اضافہ قرار دی جا سکتی ہیں۔ جس میں مصنفہ نے یادیں تحریر کیں، سلام کے مستحق کرداروں کو سلام پیش کیا، جہاں افسوس کا مقام تھا وہیں پر افسوس سے متعلق پوری پاکستانی تاریخ کا عرق نکات میں بیان کر دیا۔ پاکستان میں عورت کی بے حرمتی کے بڑھتے ہوئے واقعات کو نظموں میں شامل کیا۔ آخر میں دوست احباب اور بچوں کے ساتھ تصاویر شامل کر کے اس کتاب کی اہمیت کو مزید بڑھا دیا۔ مختصراً کشور ناہید کی کتاب بُری عورت کی دوسری کَتھا ان کی طویل ادبی و عملی جدوجہد کی روشن مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔

نتیجہ:

کشور ناہید کی آپ بیتیاں اُن کے وسیع مطالعہ اور خرد افروز افکار کی دلالت کرتی ہیں۔ جدید ادب کے فروغ میں مصنفہ کی تخلیقی نثر خوش گوار اضافہ قرار دی جا سکتی ہے۔ صنفی شعور اجاگر کرنے میں مصنفہ کی دونوں آپ بیتیاں عمدہ فن پاروں میں شمار کی جاتی ہیں۔ ادیبہ نے مردوں کی نفسیات کو بے نقاب کرنے میں مثالی کردار ادا کیا۔ اُن کے مطابق عورت جنسی تسکین کے لیے نہیں بنی۔ عورت کو جائز عزت و تکریم دی جانی چاہیے۔ مردوں کے شانہ بشانہ اسے بھی آزاد زندگی گزارنے کا حق ملنا چاہیے۔ جبر، تشدد، بدسلوکی، بے توقیری، عصمت دری اور ظلم و ستم خواتین کا مقدر نہیں ہونا چاہیے۔ خواتین مرضی سے تعلیم حاصل کرنے میں خود مختار ہوں اور یہی آزادی انھیں ملازمت کرنے سے، جیون ساتھی کے انتخاب میں بھی ملنی چاہیے۔ گھریلو امور ہوں، کاروباری معاملات ہوں یا دفتری معاملات ہوں، عورت کی رائے کو مقدس سمجھنا چاہیے، تاکہ معاشرہ مرد اور عورت کی یکساں خدمات سے امن و سکون کا گہوارہ بن سکے۔ کشور ناہید کی پہلی اور دوسری کَتھا کے تجزیاتی مطالعہ سے عورت کی مسلسل جدوجہد قارئین پر آشکار ہوتی ہے۔ بلاشبہ مصنفہ کی طویل جدوجہد خواتین کو خود مختار بنانے میں معاون و مددگار ثابت ہو گی۔

حوالہ جات

کشور ناہید، بُری عورت کی کَتھا (خود نوشت)، (نئی دہلی: ادب پبلی کیشنز، 1995)

احمد بشیر، جو ملے تھے راستے میں ، مرتبہ یونس جاوید (لاہور : الفیصل ناشران، 2016)

فوزیہ خانم، ڈاکٹر آپ بیتیاں ٹیڑھی پسلیوں کی (لاہور: بک ٹاک، 2019)

کشور ناہید، بُری عورت کی دوسری کَتھا (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2021)

References

Kishore Naheed, Buri Aurat Ki Katha (Autobiography), (New Delhi: Adab Publications, 1995)

Ahmad Bashir, Who Met on the Way, by Younis Javed (Lahore: Al-Faisal Publishers, 2016)

Fawzia Khanum, Dr. Aap Beitian of Crooked Ribs (Lahore: Book Talk, 2019)

Kishore Naheed, The Second Story of Buri Aurat (Lahore: Sang-e-Mail Publications, 2021)